مصارف زکوٰۃ کے بارے میں قرآنی تشریح

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف انڈیا

زکواۃ اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، جس سے مملکت کی بڑی تعداد اور انسانیت کا بڑا طبقہ مستفید ہوتا ہے، مملکت کے مالی واجبات اور دیگر اقتصادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اسلام کے پاس ایک مکمل معاشی نظام موجود ہے، اور جب تک کسی سوسائٹی میں پوری طرح وہ معاشی نظام رائج نہ ہو اس وقت تک نہ اسلام اقتصادیات کی معنویت سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ سوسائٹی کی تمام ضرورتوں کی تکمیل ہوسکتی ہے۔

اسلامی بیت المال کی مالی مدات:

قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی مملکت کی آمدات کو بالعموم چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اسلامی بیت المال میں چار قسم کی مالی آمدات جمع ہوتی ہیں:

(۱) خمس: (الف) خمس غنائم: یعنی جنگ کے مواقع پر دشمنوں سے حاصل شدہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ، چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں، اور پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

(ب) خمس معادن: یعنی مختلف قسم کے کانوں سے نکلنے والی اشیاء کا پانچواں حصہ۔

(ج) خمس رکاز: یعنی زمین سے دریافت شدہ کسی قدیم خزانہ کا پانچواں حصہ۔

(۲) صدقات: اس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ صدقۂ فطر اور زمینی پیداوار کا عشر وغیرہ سب داخل ہیں۔

(۳) خراج ومال فئی: اس میں غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اموال داخل ہیں، جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

(۴) ضوائع: اس میں لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ داخل ہیں۔

ان چاروں مدات کے لئے الگ الگ مصارف مقرر کئے گئے ہیں، مگر فقراء ومساکین کا حق سب میں رکھا گیا ہے۔

پہلی مد یعنی خمس غنائم کے مصارف سورۂ انفال میں بیان کئے گئے ہیں، دوسری مد صدقات کے مصارف کا بیان سورۂ توبہ میں آیا ہے، تیسری مد مال فئی وغیرہ کا ذکر سورۂ ''حشر'' میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسلامی حکومت کی اکثر انتظامی ضروریات (فوجی اخراجات، حکومت کے ملازمین کی تنخواہیں، تعمیری وترقیاتی منصوبے وغیرہ) اسی مد سے پوری کی جاتی ہیں۔ چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول اکرم ﷺ کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل کی روشنی میں معذوروں محتاجوں، اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے۔

(ردالمختار کتاب الزکوٰۃ ، خطب فی بیان بیوت المال و مصارفها : ۲۵۵/۳، ۲۵۶)

اگر ہم مذکورہ بالا مدات میں کسی مد کو دوسرے مدات کے مصارف میں خرچ کرنے لگیں، اور شریعت اسلامیہ نے مالی مدات اور ان کے مصارف کے درمیان جو خط امتیاز کھینچا ہے، اس کا لحاظ نہ کر کے مصارف کو خلط ملط کر دیں، تو یہ ہماری بدترین غلطی ہوگی۔

اسلام نے ایک مکمل معاشی نظام کے لحاظ سے بیت المال کا ایک وسیع تصور دیا ہے اور ہر مد کے لئے جداگانہ تقاضے مقرر کئے ہیں۔ اگر کسی سوسائٹی میں اسلامی بیت المال کا وسیع نظام قائم نہ ہو، یا اس نظام کا صرف ایک جز ورائج ہو اور اس کی وجہ سے بہت سے بظاہر ضروری مصارف بیت المال کی امداد سے محروم ہو جاتے ہوں، اور ان تک مسلمانوں کی رقم نہ پہنچ پاتی ہو تو یہ ہماری ناقص سوسائٹی کا قصور ہے، اسلام کے نظام بیت المال کا نہیں۔

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام کا ایک حصہ:

زکوٰۃ اسلام کے اسی معاشی نظام کا ایک حصہ ہے، زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی اسلامی بیت المال میں کافی اہمیت رکھتی ہے، مگر جس طرح اس کے حاصل ہونے کے لئے اسلام نے بہت سی بنیادی ہدایات دی ہیں، اسی طرح اس کے خرچ کرنے کے لئے بھی کچھ اصول اور مصارف مقرر کئے گئے ہیں۔

زکوٰۃ کے مصارف:

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم."(سورہ توبہ : ۶۰)

ترجمہ:"فرض زکوٰۃ صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات کی وصولی پر مقرر ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا منظور ہے، اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے اور قرضداروں کے قرضہ ادا کرنے میں، اور جہاد والوں کے سامان میں اور مسافروں کی امداد میں، یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔"

خدا کی طرف سے تقسیم ایسی قطعی اور واضح ہے کہ اس میں کسی ترمیم وتبدیل کی گنجائش نہیں ہے، ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور مدّ زکوٰۃ سے مدد کا طالب ہوا، نبی کریم ﷺ نے مذکورہ آیت کریمہ کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

ان الله تعالیٰ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیها هو فجزأها ثمانیة فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک حقک."(ابو داؤد، ج:۲، ص ۲۸۱ ، مختصر السنن، ج:۲، ص: ۲۳۱ دار المعرفة)

ترجمہ:"صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حوالے نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے اگر تم ان آٹھ

میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں۔

مدات زکوٰۃ کی اہمیت و معنویت:

قرآن کے مقرر کردہ یہ آٹھ مدات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان کے اندر انسانی زندگی کی بہت سی انفرادی اور اجتماعی ضروریات آ گئی ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ نے ان مدات کی معنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ان مدات میں بنیادی طور پر دو باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ مسلمانوں کی ضروریات کی تکمیل۔

(۲) اسلام کی نصرت وتقویت۔

فقراء ومساکین، عاملین، زکوٰۃ، غلامی یا قرض میں مبتلا شخص یا مسافر کی امداد میں عام مسلمانوں کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اور مجاہدین اور مؤلفۃ القلوب کی مالی اعانت میں اسلام کی نصرت واستحکام کا پہلو پیش نظر ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:۲۵، ص:۴۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مدات زکوٰۃ کی معنویت کا تجزیہ اس طرح کیا ہے:

(۱) مملکت اور انسانی زندگی کی ضروریات اور مسائل تو بیشمار ہیں، مگر بنیادی طور پر انسان کو اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے تین قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

(۱) شخصی ضروریات: فقراء ومساکین، مسافر اور مقروض میں انہی ضروریات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(۲) مسلمانوں کی اجتماعی حفاظت کا مسئلہ: اس ذیل میں مجاہدین اور عاملین آتے ہیں۔

(۳) حقیقی یا امکانی شرور وفتن کے دفاع کا مسئلہ اس ذیل میں مؤلفۃ القلوب اور جرمانہ کی بعض شکلیں آتی ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۵ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''فقر اور سفر'' کو تمام مدات کا خلاصہ قرار دیا ہے۔ (العرف الشذی علی الترمذی، ج:۱، ص:۱۴۲)

قرآنی مدات میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے:

اگر ہم ان مدات پر الگ الگ نظر ڈالیں تو ان کی معنویت اور بھی اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے لئے آٹھ مدات بیان کئے گئے ہیں، اور کلمۂ حصر ''انمـــا'' اور احادیث کی روشنی میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان مدات میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، یہ تو ممکن ہے کہ کسی مقام پر یہ تمام مدات بیک وقت موجود نہ ہوں، ایسے حالات میں جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ تمام مدات تک پہنچانا ضروری نہیں ہے بلکہ مذکورہ مدات میں سے جو بھی بآسانی دستیاب ہو جائے اپنی زکوٰۃ اس میں صرف کر دینا درست ہے، یہ رائے حنفیہ، ملکیہ، حنابلہ، حضرت سفیان ثوری اور امام ابوعبید کی ہے۔ صحابہ کرام میں حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن عباس کی بھی یہی رائے ہے۔ (المغنی ۲/ ۶۸۸، ۶۷۰، فتح القدیر ۲/ ۱۸، الشرح الکبیر وحاشیہ الدسوقی ۱/ ۴۹۸)

اس کے بعد ہم ان مدات پر ایک نظر ڈالتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

فقراء و مساکین:

فقراء و مساکین زکوٰۃ کے سبب سے اہم ترین مصرف ہیں، اور زکوٰۃ و صدقات کا نظام بڑی حد تک غربت و مسکنت ہی کے خاتمہ کے لئے جاری کیا گیا ہے، اسی لئے اس نظام سے سب سے زیادہ فقراء و مساکین کو استفادہ کا موقعہ دیا گیا، گو بیت المال کے تمام ہی مدات میں فقراء و مساکین کا حصہ ہے، مگر صدقات کا شعبہ خاص طور پر اسی طبقہ کیلئے ہے، اور کہنا چاہئے کہ یہ ''شعبۂ فقراء و مساکین'' ہے، اگر چہ کہ اس میں بعض دیگر طبقات کے افراد بھی شامل ہیں، جو اپنے مجموعی حالات کے لحاظ سے زمرۂ مساکین میں شامل نہیں ہیں، لیکن حنفیہ کے بقول شعبۂ زکوٰۃ سے ان کے لئے بھی امداد کی فراہمی اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ اپنے حالات کے سبب اس کے واقعی ضرورت مند ہوں، اس سے صرف ''عاملین زکوٰۃ'' کا استثناء ہے کہ ذاتی زندگی میں خوشحال ہونے کے باوجود مدّ زکوٰۃ سے بقدر خدمت ان کو دینا جائز ہے۔ (فتح القدیر ۲/۱۶، رد المحتار ۳/۲۶۱)

فقیر اور مسکین کا فرق:

فقراء اور مساکین کی اصطلاحی تعریف میں جزوی طور پر تھوڑا اختلاف ہے، اور اسی اختلاف سے یہ اختلاف بھی نکلا ہے کہ ان دونوں میں زیادہ ضرورت مند کون ہے؟

(۱) حنفیہ کے نزدیک فقیر اس کو کہتے ہیں، جس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہ ہو، مالک نصاب شخص اصطلاح میں غنی شمار ہوگا، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا یا اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر کسی کے پاس ناقص نصاب ہو مگر اس کی ضروریات بھی اسی کے بقدر ہوں، تو وہ فقیر ہے، اس کے لئے زکوٰۃ لینا درست نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، ج ۲ ص ۱۵)

☆ مالکیہ کے نزدیک جس شخص کے پاس ایک سال کے بقدر غذائی اشیاء موجود نہ ہوں وہ فقیر ہے۔

☆ اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کیلئے مجبور ہو۔ (فتح القدیر ۲/۱۵، الدسوقی ۱/۴۹۳)

☆ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو اور نہ ضرورت کے موافق کمائی ہو، اور مسکین وہ ہے جس کی آمدنی اس کی آدھی یا آدھی سے زیادہ ضرورت کی کفالت کر سکتی ہو۔ (حوالۂ بالا)

دسوقی نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ فقیر و مسکین مصداق کے لحاظ سے ایک ہی ہیں، یعنی جو سال بھر کے لائق غذائی اشیاء کا مالک نہ ہو فقیر ہے، خواہ اس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو یا نہ ہو۔ (دسوقی ۱/۴۹۲)

☆ یہیں سے فقہاء کے درمیان یہ اختلاف بھی پیدا ہوا ہے کہ فقیر اور مسکین میں زیادہ ضرورت مند کون ہے؟

شافعیہ مسکین زیادہ حاجت مند ہے، دونوں طبقے کے پاس اپنی اپنی دلیلیں ہیں: مثلاً شافعیہ اور حنابلہ نے سورۂ کہف کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اما السفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر. کهف ۷۹)

ترجمہ: ''بہر حال کشتی چند مسکینوں کی تھی، جو سمندر میں محنت و مزدوری کرتے تھے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسکین کچھ نہ کچھ مالیت کا مالک ہوتا ہے علاوہ ازیں لغوی طور پر ''فقیر'' فقر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ریڑھ کی بعض ہڈیوں کا چیخ جانا، یعنی فقیر وہ ہے کہ معاشی طور پر جس کی کمر ٹوٹ گئی ہو، جبکہ ''مسکین''، ''سکن'' سے ماخوذ ہے، سکون حالت اطمینان کی علامت ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ نے ایک دوسری آیت سے استدلال کیا ہے:

"اومسکیناً ذا متربة". (سورة البلد ۱۶)

ترجمہ: ''یا خاک آلودہ مسکین کو''

''خاک آلودہ'' اس شخص کو کہتے ہیں جو شدت بھوک کی بنا پر زمین پر اوندھے منہ گر پڑا ہو، نیز مسکین ''سکون'' سکون سے موخوذ ہے، سکون حرکت کی ضد ہے یعنی "حالت انجماد" یعنی اس قدر کمزور کہ ملنے تک کی سکت نہ ہو۔ (المغنی ۶/۴۲۰، فتح القدیر ۲/۱۵-۱۶، الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/۴۹۲، المحلی علی المنہاج ۳/۱۹۶، الموسوعة الفقہیہ الکویت ۲۳/۳۱۲)

امام فخر الدین رازی (۵۴۴-۶۰۶) نے تفسیر کبیر میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور دونوں فریق کے دلائل کا احاطہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ۸/۶۲-۷۶ مطبوعہ قاہرہ)

مگر زیر بحث مسئلے میں اس اختلاف سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، اس اختلاف کا اثر زیادہ سے زیادہ وصیت کے باب میں ظاہر ہو سکتا ہے، مثلاً کسی نے فقیر کے لئے دو ہزار (2000) روپے کی اور مسکین کے لئے پانچ سو (500) روپے کی وصیت کی تو حضرت امام شافعیؒ کے نقطہ نظر کے مطابق سب سے زیادہ ضرورت مند شخص کو دو ہزار (2000) روپے دیئے جائیں گے، اور حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک کم ضرورت والے شخص کو دو ہزار (2000) روپے ملیں گے۔ تفسیر الکبیر ۸/۶۳)

☆ صحت مند فقیر یا مسکین جو محنت مزدوری کر کے کفاف حاصل کر سکتا ہو، وہ فقیر کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسا شخص اس زمرہ میں داخل نہیں ہے اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اور نہ اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، اگر اس کا حال جانتے ہوئے اس کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (المغنی ۶/۴۲۳، المحلی علی لمنہاج ۳/۱۹۶، المجموع ۶/۱۹۰)

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"لاحظ فیها لغنی ولا لقوی مکتسبت" (ابو داؤد ۲/۲۸۵)

ترجمہ: ''زکوٰۃ کسی مالدار اور مضبوط کمانے والے شخص کا کوئی حصہ نہیں ہے'' ایک دوسرے روایت کے الفاظ ہیں۔

لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سويّ (ابن ماجه ۱/۵۸۹ بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

ترجمہ: زکوٰۃ کسی مالدار یا مضبوط طاقتور کیلئے جائز نہیں''

اس کے بالمقابل حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ ''جس کو فقیر صورت دیکھو اس کو فقیر گمان کرو'' اس لئے کہ فقر و مسکنت، اور حاجت وضرورت ایک مخفی چیز ہے۔ اس پر ظاہری حالت ہی کو دلیل بنایا جاسکتا ہے اور ظاہری حالت یہ ہے کہ وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک نہیں ہے۔ (فتح القدیر ۲/ ۲۸، الدسوقی ۱/۴۹۴)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ کی تقسیم فرمارہے تھے، دو آدمی زکوٰۃ کا مطالبہ لے کر آئے، جو جسمانی طور پر کافی مظبوط تھے، حضور ﷺ نے ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالی اور ارشاد فرمایا

انه لا حق لكما فيه وان شئتما اعطيتكما (ابو داؤد ۲/ ۱۲۸۱ ۹)

ترجمہ: ''تم دونوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، پھر بھی چاہتے ہو تو میں تم دونوں کو دے دوں گا''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مانگنے کا تو حق نہیں ہے لیکن اگر زکوٰۃ دیدی جائے تو اس کی گنجائش ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

فقر و مسکنت کا ثبوت:

کسی مستورالحال شخص کے لئے فقر و مسکنت کا ثبوت محض اس کے دعویٰ فقر سے ہوجائے گا۔ اس سے قسم لینے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں سرور دو عالم ﷺ نے دونوں سائلین کے سوال پر یقین کرکے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اگر تم دونوں چاہو تو میں دے دوں گا''

البتہ اگر کسی کا جھوٹ ظاہر ہوجائے تو محض اس کے دعویٰ پر اس کو فقیر نہیں مانا جائے گا، اور اس کو زکوٰۃ دینا درست نہ ہوگا۔

یا کوئی شخص اپنی ظاہری حالت کے خلاف دعویٰ کرے مثلاً کوئی صاحب عیال ہونے کا دعویٰ کرے یا وہ خوش پوش وخوش حال شخص مانا جاتا تھا اور اب دعویٰ کرے کہ میرا سب کچھ ختم ہوچکا ہے، میں فقیر ہوچکا ہوں تو ان حالات میں دعویٰ کی تصدیق کیلئے تحقیق حال ضروری ہے۔ (المغنی ۲/ ۶۶۳، ۶/ ۴۲۳، الانصاف ۳/ ۲۴۵، المجموع ۶/ ۱۹۵، الموسوعہ ۲۲/ ۳۱۸)

☆ یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کسی فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ سے کس حد تک دینا درست ہے؟ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ سے کسی فقیر و مسکین کو اس حد تک دیا جاسکتا ہے۔ جو اس کے سال بھر کی ضروریات کے لئے کافی ہوجائے، اس سے زیادہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آئندہ سال پھر تقسیم زکوٰۃ کے موقعہ پر اس کو اس میں سے حصہ ملے گا۔

شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ کسی فقیر و مسکین کی مدد اس حد تک کی جانی چاہئے کہ وہ سطح غربت سے بلند ہوکر مالداری کی حد میں داخل

ہوجائے، اور ہمیشہ کے لئے وہ پستی کی اس حالت سے نجات پا جائے، اگر وہ شخص کسی صنعت وحرفت سے وابستہ ہو تو اس کے لئے وہ آلات اور مشینیں خرید کر حوالہ کی جائیں جن سے وہ اپنے پیشہ پر کھڑا ہو سکے، اور خود کفیل بن سکے۔ جبکہ حنفیہ کسی فقیر کی صرف اس حد تک امداد کی اجازت دیتے ہیں جس سے فقر ومسکنت کا اطلاق اس پر باقی رہے، اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے، اس لئے کہ اگر زکوٰۃ دیتے ہی وہ مالدار قرار پائے تو یہ قلب معکوس ہوجائے گا، البتہ اگر وہ مقروض ہو یا اس پر اہل وعیال کی یا دوسری مالی ذمہ داریاں ہوں تو زائد دینا بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔ (فتح القدیر والعنایۃ ۲/ ۲۸، شرح منتہی الارادات والانصاف ۳/ ۲۲۸، المغنی ۶/ ۶۶۵، الدسوقی ۱/ ۴۹۴، المجموع ۶/ ۱۹۴)

عاملین زکوٰۃ:

عاملین زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کارکنان ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلے میں مامور ہوں، خواہ وہ فیلڈ ورکر ہوں یا آفس کے ملازمین۔

حنفیہ کے نزدیک تمام مدات زکوٰۃ میں یہ واحد مد ہے جس میں فقر واحتیاج کی شرط نہیں ہے، یعنی یہ ملازمین اور کارکنانِ ذاتی زندگی میں خوشحال اور مالدار بھی ہوں تب بھی زکوٰۃ سے اپنی محنت کے بقدر حصہ پانے کے مستحق ہوں گے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ کسی مالدار کیلئے جائز نہیں سوائے چند اشخاص کے جن میں ایک عامل بھی ہے" (ابن ماجہ ۱/ ۵۹۰ مطبوعہ الحلبی بروایت حضرت ابوسعید الخدریؓ)

اس لئے کہ عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی مد سے جو کچھ ملتا ہے وہ بطور اجرت اور معاوضہ عمل ملتا ہے، اور اجرت اجیر کا حق ہے خواہ اجیر شخصی طور پر کتنا ہی خوشحال اور صاحب مال ہو، البتہ حنفیہ کے نزدیک عامل کی اجرت اگر اس کی جمع کردہ زکوٰۃ کے نصف سے زیادہ بنتی ہو تو نصف سے زائد اجرت اس کو نہیں ملے گی۔ فتح القدیر ۲/ ۱۶)

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں عامل سے وقت یا عمل کی تعیین کے ساتھ باقاعدہ اجرت کا معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر اس کی اجرت جمع کردہ زکوٰۃ کی قیمت سے متجاوز ہو جائے تو بقیہ اجرت زکوٰۃ کے بجائے بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ (المجموع ۶/ ۱۶۸۔ ۱۸۷، المنہاج وشرحہ حاشیۃ القلیوبی ۳/ ۱۹۶، ۲۲۶)

دراصل زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری امیر وقت کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ امیر تنہا اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتا، اس لئے کارکن بحال کئے جاتے ہیں اور ضابطہ کے مطابق ملازمین کو متعلقہ شعبہ کی آمدنی سے تنخواہ ادا کی جاتی ہے قرآن نے اس مصرف کو بیان کرنے کے لئے جو تعبیر اختیار کی ہے اسی سے اس کے استحقاق کی نوعیت بھی سمجھ میں آتی ہے،" والعاملین علیھا" یعنی اس طبقہ کو شعبہ زکوٰۃ سے جو کچھ ملے گا وہ ان کے عمل کے بنیاد پر ملے گا۔

(۴) مؤلفۃ القلوب:

مؤلفۃ القلوب سے ضعیف الایمان مسلمانوں کا طبقہ مراد ہے، جس کی دلجوئی اسلام پر اس کو جمانے اور قبول اسلام کی بنا پر پیش آنے والی

پریشانیوں سے نجات دلانے کے لئے شعبۂ زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جاتی ہے اور اس طرح زکوٰۃ سے دوہرا نفع حاصل کیا جاتا ہے، ایک طرف مستحق تک زکوٰۃ بھی پہنچی ہے اور دوسری طرف اسلام کو افرادی قوت بھی حاصل ہوتی ہے،

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں باقاعدہ اس کا نظام قائم تھا اور اس سے مستفید ہونے والے افراد کی ایک فہرست تھی، امام رازیؒ نے پندرہ اشخاص کا نام دیا ہے، جن کو حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے نوازا تھا۔

(۱) ابوسفیان (۲) اقرع بن حابس (۳) عتبہ بن حصن (۴) حویطب بن عبدالعزی (۵) سہیل بن عمرو (۶) حارث بن ہشام۔ (۷) سہیل بن عمرو الجمحی (۸) ابوالسنابیل (۹) حکیم بن حزام (۱۰) مالک بن عوف (۱۱) صفوان بن امیہ (۱۲) عبدالرحمٰن بن یربوع (۱۳) الجد بن قیس (۱۴) عمرو بن مرداس (۱۵) العلاء بن الحارث۔ (تفسیر کبیر ۸/ ۶۸)

علامہ قرطبی نے احکام القرآن (۸/۱۱۴) میں، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/ ۳۴۹) میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری (۴/ ۲۳۴) میں اور دیگر مفسرین اور مؤرخین نے بھی اس ذیل کے متعدد لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

مؤلفة القلوب کی قسمیں:

علماء نے لکھا ہے کہ عہد نبوی میں مؤلفۃ القلوب کی چھ قسمیں تھیں۔ دو قسموں کا تعلق غیر مسلموں سے تھا

(۱) ایسے غیر مسلم جن سے خیر کی امید ہو۔ (۲) اور ایسے غیر مسلم جن کے شر کا خوف ہو۔ اور چار قسموں کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔

(۱) ضعیف الایمان مسلمان جن کو ایمان پر جمنے کیلئے مدد دی جاتی تھی۔

(۲) بعض نومسلموں کی اس لئے امداد کی جاتی تاکہ دوسرے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف آنے کی رغبت پیدا ہو

(۳) سرحد پر رہنے والے بعض مسلمانوں کی امداد کی جاتی تاکہ موقع پر وہ اسلامی لشکروں کا تعاون کریں۔

(۴) بعض مسلمانوں کی امداد اس لئے کی جاتی کہ مقامی قبائل سے صدقات کی وصولی میں اسلامی کارکنوں کی مدد کریں۔

(المغنی ۶/ ۴۲۷، ۴۲۹، القلیوبی علی شرح المنهاج ۳/ ۱۹۶، ۱۹۸، الاحکام السلطانیہ ۱۲۲، الدسوقی ۱/ ۴۹۵)

مؤلفۃ القلوب کے سلسلے میں دو باتیں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱) آیا مؤلفۃ القلوب میں غیر مسلم بھی داخل ہیں؟ اور کیا زکوٰۃ غیر مسلم کو بھی دی جاسکتی ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے یا منسوخ ہو چکا ہے؟

غیر مسلموں کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی:

(۱) جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلے میں مشہور بات وہی ہے کہ عہد نبوی میں غیر مسلموں کو بھی تالیف قلب کیلئے زکوٰۃ سے حصہ دیا جاتا تھا، مگر علماء محققین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ محققین کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ عہد نبوی میں بھی زکوٰۃ صرف مسلمانوں

کو دی جاتی تھی، غیر مسلموں کو زکوٰۃ سے نہیں بلکہ بیت المال کے دیگر مدات سے دیا جاتا تھا۔ امام رازی، علامہ قرطبی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علماء متاخرین میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور ثابت کیا ہے، کہ جن غیر مسلموں کا ذکر اس ذیل میں ملتا ہے ان کا زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

رازی لکھتے ہیں:

هذه العطايا انما كانت يوم حنين و لا تعلق لها بالصدقات. (تفسير كبير ۶۸/۸)

ترجمہ: ''یہ عطایا حنین کے موقعہ پر دیئے گئے، مگر ان کا زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں تھا''۔

قرطبی لکھتے ہیں: **"وبالجملة فكلهم مؤمن ولم يكن فيهم كافر". (۱۱۴/۸)**

ترجمہ: ''خلاصہ یہ کہ یہ سب مومن تھے ان میں کوئی غیر مسلم نہیں تھا۔''

قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں:

لم يثبت ان النبي ﷺ اعطى احدًا من الكفار للايلاف شيئًا من الزكوٰة (تفسير مظهرى ۲۳۴/۴)

ترجمہ: یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول ﷺ نے کسی غیر مسلم کو مال زکوٰۃ سے اس کو دلجوئی کے لئے حصہ دیا ہو''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں ان کفار و منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول ﷺ پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے، کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے، اس آیت میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد یہ ہے کہ ان کو بتلایا جائے کہ کافر کا حق مال صدقات میں نہیں ہے۔''

اگر مؤلفہ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی (پھر تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھتے ہیں) امام بیہقی ابن سید الناس اور امام ابن کثیر وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطا مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے تھی۔ (معارف القرآن ۴۰۲/۴)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں غیر مسلم شامل نہیں تھے اور عہد نبوت میں بھی زکوٰۃ صرف ان نومسلموں کی دی جاتی تھی جن کی دلجوئی مقصود ہوتی تھی۔

کیا مؤلفة القلوب کا حکم باقی ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک چونکہ عامل کو چھوڑ کر تمام اصناف زکوٰۃ میں فقر و احتیاج کی شرط ہے، اس لحاظ سے مؤلفۃ القلوب کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر اس سے مراد مالدار مسلمان ہیں تو ظاہر

ہے کہ زکوٰۃ کی روح اور مزاج کے لحاظ سے ایسے مسلمانوں کو زکوٰۃ دیئے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہیں اس لئے کہ زکوٰۃ کا تمام نظام ضرورت مند مسلمانوں کے لئے ہے اور غالباً اسی معنی میں ابوحنیفہ کی طرف سے نسخ کی نسبت کی جاتی ہے۔ائمہ اربعہ میں تنہا امام احمد بن حنبلؒ ہی ہیں کہ جو مؤلفۃ القلوب کی مذکورہ بالا چھ قسموں میں سے ہر قسم کو آج تک باقی مانتے ہیں، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور مالدار ہو یا غریب، ان کے علاوہ باقی تمام ائمہ مذکورہ چھ قسموں میں سے کسی نہ کسی قسم کو ضرور منسوخ مانتے ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک ان چھ قسموں میں سے آخری دو قسمیں اب بھی باقی ہیں۔اور باقی چار قسموں کے بارے میں ان کے ہاں دونوں طرح کے قول ملتے ہیں (تفسیر قرطبی ۸/۱۱۵) حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک تمام قسموں کو منسوخ مانتے ہیں (تفسیر قرطبی ۸/۱۱۵)۔مگر الموسوعۃ الفقہیہ میں حضرت امام مالک کا قول معتمد یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک مؤلفۃ القلوب منسوخ نہیں ہے۔(الموسوعۃ ۲۳/ ۳۱۸، الدسوقی ۱/ ۴۹۵)

البتہ اوپر مؤلفۃ القلوب کی جو حقیقت ذکر کی گئی ہے اس کی روشنی میں بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے، علماء متاخرین میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحریر اس سلسلے میں کافی بصیرت افروز ہے۔

"محققین، محدثین، اور رفقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے، وہ صدقات وزکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے دیا گیا، جس سے ہر حاجتمند مسلم اور غیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے اور ان میں جو فقراء ہیں، ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں، تو امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر وحاجت مند شرط نہیں ہے، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہوں، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقرو حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ القلوب کا حصہ بھی ان کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر وحاجتمند ہوں، جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجتمند ہوں، گو وہ اپنے مقام میں مالدار ہوں، اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء ومساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف کو فقر وحاجتمند کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط کی ہے جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہو۔بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔تفسیر مظہری معارف القرآن، ج ۴، ص ۴۰۴)

مدات کے ذکر میں قرآن کا اسلوب بیان:

قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مدات میں پہلے کے چار مدات کو حرف جار"ل" سے بیان کیا ہے للفقراء والمساکین الخ اور آخری چار مدات کو حرف "فی" کے ذریعہ "وفی الرقاب الخ" زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی

طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسب پہلے چار سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ حرف ''فی'' ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے کیونکہ جو شخص کسی کا غلام ہو وہ عام فقراء کے بہ نسبت زیادہ تکلیف میں ہے۔ اسی طرح جو کسی کا قرض دار ہو اور قرض خواہ اس کے سر پر سوار ہو وہ عام غرباء فقراء سے زیادہ تنگی میں ہوگا۔ (معارف القرآن ۴/۴۰۴)

مگر میرے نزدیک اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ قرآن نے مدات زکوٰۃ کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے ''ل'' کے ذریعہ جن چار مدات کا بیان کیا ہے ان میں شخصیتیں بزات خود مقصود ہیں اور ذاتی طور پر وہ زکوٰۃ پانے کے مستحق ہیں اور فی کے ذریعہ جن چار مدات کا بیان ہے ان میں شخصیتوں کو زکوٰۃ ان کی شخصی حیثیت میں نہیں بلکہ ان کو درپیش ضرورت کی بنا پر دی جائیگی، اور یہ ضرورتیں دائمی نہیں ہیں بلکہ وقتی ہیں، پھر ختم ہو جائیں گی، آقاء سے غلام کا معاملۂ کتابت ہو یا قرضوں کا بوجھ، مسافرت کی بے سروسامانی ہو یا میدان جہاد کے ضرورت ان میں سے کوئی ضرورت دائمی نہیں ہے بلکہ سب وقتی حاجتیں ہیں، تو دراصل قرآن نے اس تقسیم کے ذریعہ اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک قسم میں شخصیت پیش نظر ہے تو دوسری میں ضرورت ختم ہوتے ہی یہ مستحق زکوٰۃ باقی نہیں رہیں گے۔

تملیک کا مسئلہ:

رہا یہ مسئلہ کہ تملیک ضروری ہے یا نہیں؟ تو یہ بات خود لفظ ''ایتآء'' سے ظاہر ہے، بغیر ''تملیک'' ایتاء کی تکمیل ناممکن ہے۔

قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم آیا ہے وہاں ''آتوا الزکوٰۃ'' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے اور کسی بھی مسئلہ میں اعتبار اس تعبیر کا ہوگا جو حکم کے وقت اختیار کی گئی ہو، سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ ''انما الصدقات الخ'' میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے زکوٰۃ کے حکم کا نہیں۔ اس لئے مصارف کے ذیل میں اختیار کردہ اسلوب مدات کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے، ادائیگی کی نوعیت کو نہیں، قرآن کریم نے دو طرح اسلوب بیان اختیار کر کے مدات کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے، ایک میں شخصیت کو اہمیت دی گئی ہے اور دوسرے میں ضروریات کی جہتوں کو، ایک میں دائمی مستحقین کو بیان کیا گیا ہے تو دوسرے میں عارضی مستحقین کو، ایک کی امداد ان کی ذاتی حیثیت کی بنا پر ہے دوسرے کی ان کو درپیش اتفاقی حالات کی بنا پر۔

اس لئے تملیک کی بحث اصولی طور پر مصرف کے بیان میں نہیں آتی، اس بحث کا موقعہ وہ فرمان الٰہی ہے جہاں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم سنایا گیا ہے، اصل اس فرمان کے اسلوب اور لب ولہجہ کی اہمیت ہے اور اسی لب ولہجہ کے روشنی میں یہ طے ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کیا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے، آیا مستحقین کو مال زکوٰۃ کا بالکلیہ مالک بنا کر دینا ضروری ہے یا بغیر مالک بنائے ان کے مفاد میں از خود صرف کر دینا کافی ہے؟

اس لحاظ سے غور کیجئے تو قرآن میں ''آتوا الزکاۃ'' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے اور حدیث میں امیر وقت کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ (الحدیث) ''تو خذ من اغنیائهم وترد علی فقرائهم (بخاری مع الفتح ۳/ ۲۶۱ مطبوعه السلفیة)

مسلمان کو زکوٰۃ دینے کا حکم اور امیر وقت کو زکوٰۃ لینے اور فقراء تک زکوٰۃ پہنچانے کا حکم ظاہر کرتا ہے کو زکوٰۃ مال والوں کی ملک سے نکل کر مستحقین کی ملک میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے فقہاء حنفیا ورشافعیہ نے ادائے زکوٰۃ میں تملیک کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۵)وفی الرقاب:

نظام زکوٰۃ میں اس مد کے قیام کا مقصد دینا سے غلامی کا خاتمہ تھا، غلامی میں پھنسے ہوئے لوگوں کی امداد اس نظام کے تحت کی جاتی تھی، ایسے غلام جن کے مالک طے شدہ مالی ادائیگی کے تحت ان کو آزاد کرنے پر رضامند ہوں ان کو عربوں کی اصطلاح میں مکاتب کہا جاتا تھا۔ ایسے غلاموں کو زکوٰۃ سے حصہ دیا جاتا تھا، تاکہ معاہدہ کے مطابق مالی ادائیگی کر کے اپنی گردن آزاد کرالیں، اس طرح اسلام نے شعبۂ زکوٰۃ کو اعلیٰ انسانی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دی، اور اسلام کے انہی مساعی کی دین ہے کہ رفتہ رفتہ دنیا سے غلامی کا خاتمہ ہوا اور آج روئے زمین پر کہیں ''اصطلاحی غلامی'' کا نام ونشان نہیں ہے اس لئے اب اس مد پر گفتگو کرنے کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

(۶)الغارمون (قرض کے بوجھ میں دبے کچلے لوگ)

جو لوگ کسی سبب سے مقروض ہو جاتے ہیں، فقہاء نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(الف) وہ لوگ جو اپنی کسی ذاتی ضرورت کے سبب مقروض ہو جائے ایسا شخص باتفاق فقہاء مستحق زکوٰۃ ہے مگر اس کے لئے چند شرطیں ہیں

(۱) مسلمان ہو،

(۲) آل رسول سے نہ ہو۔ (حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ ملتا ہے کہ سید اگر مقروض ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے)

(۳) مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس نے اس غرض سے قرض نہ لیا ہو کہ زکوٰۃ سے اس نام پر اسے حصہ مل سکے۔

(۴) مالکیہ نے اس شرط کی بھی صراحت کی ہے کہ قرض صرف وہ معتبر ہے جس میں قید و بند کی سزا مل سکتی ہو۔ اس لئے اس میں دین کفارات اور دین زکوٰۃ داخل نہیں ہیں۔

(۵) قرض کسی معصیت کے سبب نہ ہوا ہو، مثلاً شراب، جوا، یا بدکاری وغیرہ جیسی عادات بد کی بنا پر کوئی مقروض ہو جائے، البتہ توبہ کر لے تو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ شافعیہ نے فضول خرچی کو بھی معصیت ہی کے ذیل میں شمار کیا ہے۔ یہ شرط مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے لگائی ہے۔

(۶) قرض فوری واجب الاداء ہو اس شرط کا ذکر شافعیہ کے یہاں ملتا ہے، اگر قرض فوری واجب الاداء نہ وہ بلکہ دین مؤجل ہو تو شافعیہ کے یہاں اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ اگر قرض کی ادائیگی اسی سال ضروری ہو تو اس سال کی زکوٰۃ سے مدد کی جائے گی، اور اگر اس سال ضروری نہ ہو تو اس سال کی زکوٰۃ سے حصہ نہیں ملے گا۔

(۷) اپنے طور پر قرض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو، اگر قرض کا کچھ حصہ ادا کر سکتا ہو تو صرف اسی قدر زکوٰۃ کا وہ مستحق ہوگا، جس سے وہ بقیہ

قرض ادا کر سکے۔(المغنی ۶/۴۳۲، فتح القدیر ۲/۱۷، ابن عابدین ۲/۶۰ روضۃ الطالبین ۶/۳۱۸، الدسوقی ۱/۴۹۶، ۴۹۷)

(ب) ایسا قرض جو مسلمانوں کے دو متحارب گروہوں، خاندانوں، فریقوں یا شخصوں کے درمیان مصالحتی کوششوں کے نتیجے میں ہوجائے۔

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا صرف تین قسم کے اشخاص کے لئے جائز ہے، ان میں ایک وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان صلح ومصالحت کے سلسلے میں زیر بار ہوجائے۔(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۳۲۲)

حنفیہ کے نزدیک اس قسم کی انسانی خدمت انجام دینے والا شخص اگر مالدار ہو تو زکوٰۃ سے اس کو حصہ نہیں ملے گا، بلکہ اس قسم کے قرضوں کو وہ اپنے ذاتی مال سے ادا کرے گا، البتہ اگر مالدار نہ ہو تو زکوٰۃ سے اس کو ادائیگی قرض کے لئے امداد دی جائے گی۔(فتح القدیر ۲/۱۷)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مالدار ہو یا غریب اس سلسلے میں ہونے والے قرضوں کی ادائیگی مال زکوٰۃ سے کی جائے گی، تاکہ اس عظیم انسانی خدمت کے لئے لوگ پیش پیش رہیں، فقر کی شرط لگانے پر بہت سے اچھے لوگوں کو بھی اس باب میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوگی۔(المغنی ۶/۴۳۳، روضۃ الطالبین ۲/۳۱۸، المجموع ۶/۲۰۶، مغنی المحتاج ۳/۱۱۱)

مالکیہ کے یہاں اس سلسلے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔

(ج) قرض کی تیسری قسم وہ ہے جو کسی کا جرمانہ یا ضمان ادا کرنے کے سبب ہوجائے، اس کو دین ضمان کہتے ہیں اس قسم کا ذکر صرف شافعیہ کے یہاں ملتا ہے، البتہ اس میں شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ ضامن اور مضمون، یعنی ضمان ادا کرنے والا شخص اور جس کا ضمان ادا کیا جانا ہو دونوں غریب اور تنگدست ہوں، ظاہر ہے کہ حنفیہ بھی اس باب میں ان کی تائید کریں گے۔(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۳۲۲)

☆ میت پر اگر قرض ہو تو جمہور کے نزدیک زکوٰۃ سے اس کی ادائیگی درست نہیں ہے، البتہ مالکیہ اس کی اجازت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میت اس قسم کے حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے اس لئے کہ اس کے قرض کی ادائیگی کا امکان کم ہے، شافعیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔(روضۃ الطالبین ۲/۳۱۸، الزرقانی ۲/۱۷۸، المجموع ۶/۲۱۱، الموسوعۃ ۲۳/۳۲۳)

(۷)فی سبیل اللہ:

''فی سبیل اللہ'' کے لغوی معنی ہیں ''اللہ کے راستے میں'' مگر یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے، یہ ایک خاص اصطلاح ہے، فقہاء کے یہاں اس کی تین صورتیں ملتی ہیں:

(۱) رضا کار مجاہدین جو سرکاری ملازم نہ ہوں اور اسلامی حکومت سے ان کی تنخواہ مقرر نہ ہو بلکہ محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد پر آمادہ ہوں ایسے مجاہدین کو باتفاق فقہاء زکوٰۃ دینا جائز ہے، تاکہ وہ زکوٰۃ کی رقم سے ہتھیار، سواری اور جنگی مصالح کی چیزیں حاصل کر سکیں۔البتہ حنفیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ غریب ہوں اور بطور خود جنگی سامان حاصل نہ کر سکتے ہوں دیگر فقہاء کے یہاں یہ شرط نہیں ہے مالدار ہو یا غریب ہر مجاہد کے لئے زکوٰۃ سے جنگی اغراض کیلئے امداد لینا جائز ہے۔

اسی طرح تنخواہ دار مجاہدین کے لئے زکوٰۃ سے امداد لینا جائز نہیں۔(ردالمحتار۲/۶۱،فتح القدیر۲/۱۱۷،الشرح الکبیر مع الدسوقی المجموع ۲/۲۱۲/۲۱۳،۲۱۳)المفتی ۶/۴۳۶)

(۲)جنگی مصالح کے لئے زکوٰۃ کا استعمال کرنا جس میں زکوٰۃ مجاہدین کے حوالہ نہ کی جائے۔یہ صورت صرف مالکیہ کے نزدیک جائز ہے،دیگر فقہاء نے اس کی اجازت نہیں دی ہے،شافعیہ نے ایک صورت وقف کی نکالی ہے کہ زکوٰۃ سے جنگی سازوسامان خرید کر جہاد کے لئے وقف کردیا جائے،یعنی مجاہدین بعداز استعمال حکومت کو واپس کردیں یہ صورت ان کے نزدیک جائز ہے،حنابلہ اس کو بھی جائز نہیں کہتے۔ دراصل اس صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی جو کہ بنیادی شرط ہے۔اسی لئے مالکیہ کے علاوہ عام فقہاء نے اس کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔(الدسوقی والشرح الکبیر ا/۴۹۷،المجموع ۶/۲۱۲،۲۱۳،المغنی ۶/۴۳۶،۴۳۷)

(۳)''حجاج کرام''جمہور علماء(حنفیہ،مالکیہ اور شافعیہ)کی رائے میں حجاج کرام''فی سبیل اللہ''میں داخل نہیں اور حج کے اخراجات کے لئے ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں،اس لئے کہ''فی سبیل اللہ''کتاب وسنت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس سے مراد عام حالات میں صرف مجاہدین ہوتے ہیں۔

البتہ امام احمد کا ایک قول اور بعض حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ حج بھی''فی سبیل اللہ''میں داخل ہے،اور اس کیلئے زکوٰۃ استعمال کی جاسکتی ہے۔المغنی ۶/۴۳۸،المجموع ۶/۲۱۲،ردالمحتار ۲/۶۷)

اس لئے کہ ایک روایت میں خود نبی کریم ﷺ نے حج کو''فی سبیل اللہ''قرار دیا ہے۔

"فهلا خرجت عليه فان الحج من سبيل الله"(ابوداؤد ۲/۵۰۴،حاکم ا/۴۸۳،۴۸۴)

ترجمہ:''تو اونٹ پر سوار ہو کر کیوں نہیں نکلی؟حج بھی ''فی سبیل اللہ''میں داخل ہے''

(۸)ابن السبیل(مسافر)

مسافر کی دو قسمیں ہیں:

(ا) ایسا مسافر جو وطن سے باہر ہو اور وطن واپسی کے لئے اس کے پاس مال نہ ہو۔ایسے مسافر کو باتفاق فقہاء زکوٰۃ دینا جائز ہے اتنی رقم کہ وہ اپنے گھر واپس ہوسکے،اس سے زیادہ دینا جائز نہیں،البتہ فقہاء نے ایسے مسافر کے لئے بعض شرطیں عائد کی ہیں

(الف) مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو۔

(ب) وطن واپسی کیلئے اس کے پاس کرایہ موجود نہ ہو،اگرچہ اس کے گھر میں مال موجود ہو۔

(ج) مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا سفر برائے معصیت نہ ہو۔

(د) چوتھی شرط صرف مالکیہ نے لگائی ہے کہ کوئی قرض دینے والا بھی موجود نہ ہو یہ اس وقت جبکہ مسافر گھریلو طور پر مالدار ہوتا کہ اس قرض کی ادائیگی کرسکے۔

حنفیہ کی رائے یہ کہ جو شخص گھریلو طور پر مالدار ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے سے بہتر یہ ہے کہ اگر قرض ملنا ممکن ہو تو قرض لے لے اور وطن پہنچ کر قرض ادا کردے۔ الفروع ۲/ ۶۲۵، روضۃ الطالبین ۲/ ۳۲۱، شامی ۲/ ۶۱، الدسواقی ۱/ ۴۹۷، ۴۹۸)

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ ایک شخص سفر میں تو نہ ہو لیکن کسی ضرورت کے تحت سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا زکوٰۃ سے اس کے لئے زاد سفر کا انتظام کیا جاسکتا ہے؟

جمہور علماء اس کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اس شخص کا مال دوسرے مقام پر ہو اور خود اس کے پاس خرچ کے لئے مال موجود نہ ہو اور اسے مال کی سخت ضرورت ہو تو حنفیہ نے اس صورت کو ابن السبیل میں داخل کیا ہے۔ (ردالمحتار ۲/ ۶۱، ۶۲، الدسوقی ۱/ ۴۹۷، المجموع ۶/ ۲۱۵، روضۃ الطالبین ۲/ ۳۲۱)

مدات کے درمیان ترتیب:

یہ آٹھ مدات ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ زکوٰۃ دیتے وقت ان مدات کے درمیان ترتیب کیا ہوگی؟ اور ادائیگی کے وقت ان میں کسی کو ترجیح حاصل ہوگی؟

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تمام مدات میں ''عامل زکوٰۃ'' کو اولیت حاصل ہے۔ یعنی تقسیم کا آغاز عامل سے کیا جائے گا۔ اس لئے کہ نظام زکوٰۃ کا مدار اسی کی محنت پر ہے اور زکوٰۃ سے اسے جو کچھ ملتا ہے معاوضۂ محنت کے طورر پر ملتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ واقعی حاجت کا لحاظ کرتے ہیں۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک مقروض کو فقراء پر ترجیح حاصل ہوگی۔ حنفیہ اور دیگر فقہاء نے کچھ اور اسباب ترجیح کا بھی ذکر کیا ہے جو فقہ کی تفصیلی کتابوں میں موجود ہیں۔ (شامی ۲/ ۶۱، ۶۹، الشرح الکبیر ۱/ ۴۹۸، المجموع ۶/ ۱۸۷، المغنی ۲/ ۶۸۹، الانصاف ۳/ ۲۳۹)

قرآنی ترتیب کی حکمت:

قرآن نے مدات زکوٰۃ کے بیان اور ان کی ترتیب میں خاص حکمت کا لحاظ کیا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن نے مدات زکوٰۃ کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے ایک حصہ میں شخصیت کو اہمیت دی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں ضرویات کو، دونوں حصوں میں قرآن نے ترتیب میں ضرورت استحقاق کے مدارج کا لحاظ کیا ہے۔ مثلاً پہلے حصے میں فقراء مساکین، عاملین زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب شامل ہیں۔ فقراء و مساکین ہی سے اصلاً یہ پورا شعبۂ زکوٰۃ قائم ہے۔ البتہ فقر ایک فرد کی محتاجی کا نام ہے اور مسکنت ایک گھر کی محتاجی کا یقینی بات ہے کہ گھر کی محتاجی کا درجۂ حرارت فرد کی محتاجی سے زیادہ ہے۔

عاملین زکوٰۃ اصلاً اجیر ہوتے ہیں اور اجیر کی اجرت اور محنت کش کا معاوضۂ محنت کسی کی بلامحنت امداد سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

مؤلفۃ القلوب میں ایسے افراد بھی داخل ہیں جو اسلام کی نشر و اشاعت، اسلامی فوجوں کی نصرت و معاونت کے علاوہ زکوٰۃ کی وصولی میں

بھی مددگار ہوتے ہیں اور اس پر ان کو کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کی دلجوئی کے لئے زکوٰۃ سے حصہ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ مزید رغبت کے ساتھ اس میں دلچسپی لیں، اور بیت المال کا شعبہ صدقات زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوسکے۔ اصولی طور پر بلا معاوضہ محنت کرنے والوں کی دلجوئی وحوصلہ افزائی بامعاوضہ محنت کنندگان کی محنت سے زیادہ وزن رکھتی ہے۔

اس طرح دیکھئے تو قرآن نے چھوٹی ضرورت والے مصرف سے گفتگو کا آغاز کیا اور پھر درجہ بدرجہ زیادہ سے زیادہ مستحق اور قابل توجہ مدات کی طرف عروج کیا اور چوتھے مصرف پر بات پوری ہوگئی۔

اس طرح مدات کے دوسرے حصے میں ترتیب ''فی الرقاب'' سے شروع ہوئی اور ابن السبیل پر جا کر ختم ہوگئی ہے۔

''فی الرقاب'' ایک مخصوص طبقہ کی ضرورت ہے۔ غلاموں کا طبقہ، جو آج مفقود ہے۔

''الغارمین'' مبتلائے قرض ہونا ایک عام انسانی ضرورت ہے کبھی بھی اور کوئی بھی شخص اس میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

''فی سبیل اللہ'' کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے، وہ اس طرح کہ دین اور امت کا تحفظ اس سے وابستہ ہے، نیز اس میں اپنے وطن سے نکل کر سفر کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، ملکوں ملکوں اور جنگل جنگل کی خاک چھاننی پڑتی ہے، اپنے مقام پر رہ کر دس مصیبتیں برداشت کرنا آسان ہے کہ وہاں دلجوئی وتسلی کے ہزار سامان موجود ہوتے ہیں، مگر سفر میں دین کی خاطر تکلیفیں اٹھانا آسان بات نہیں ہے۔

ابن السبیل کا دائرہ اس سے بھی زیادہ عام ہے، کہ فی سبیل کے مسافر ایک مخصوص طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں، جبکہ ابن السبیل کے عموم میں ہر وہ مسافر داخل ہے، جو معصیت کے علاوہ کسی بھی غرض سے سفر کر رہا ہو۔

اس طرح قرآن کریم نے چھوٹی سے چھوٹی، محدود سے محدود تر اور خاص سے خاص مصرف سے لے کر عام سے عام اور وسیع سے وسیع تر اغراض ومقاصد اور ضرویات کا احاطہ کیا ہے، اور چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سطح تک اس کے دائرہ کو وسیع کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ صرف بنیادی مسائل کا حل ہے:

البتہ اس میں انسانی زندگی کی صرف بنیادی ضروریات اور مسائل کو پیش نظر رکھا گیا ہے جس پر زندگی کی بقا اور اس کے تشخص وامتیاز کا تحفظ موقوف ہے۔

اس نظام کے تحت انسانوں کے ترقیاتی منصوبوں اور اعلیٰ فلاح چیزوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کو بیت المال کے دوسرے مدات کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے نظام زکوٰۃ دراصل ''شعبۂ غرباء'' ہے یعنی ایک عام انسان کو زندگی میں کن بنیادی ضرورتوں اور مسائل سے سابقہ پڑسکتا ہے، اس نظام کے تحت صرف ان کا حل ڈھونڈا گیا ہے ہم اگر ان مدات پر غور کریں گے تو یہ بات صاف طور پر محسوس ہوگی۔

مثلاً ''فقراء ومساکین'' تو اس نظام کی روح ہی ہیں اور تمام تر سرگرمیاں انسانیت کے اسی کمزور طبقہ کو مستحکم کرنے کے لئے جاری کی گئی ہیں۔ فقراء ومساکین کے بعد عاملین زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے، ظاہر ہے نظام زکوٰۃ کا قیام انہی کی جدوجہد سے وابستہ ہے، اور زکوٰۃ کا سارا سرمایہ انہی کی محنتوں سے جمع ہوتا ہے، اس لئے ان کو بھی زکوٰۃ سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، کہ ان کے بغیر نہ زکوٰۃ کا سرمایہ فراہم

ہوسکتا ہے اور نہ یہ نظام جاری رہ سکتا ہے۔

عاملین کے بعد ''مؤلفة القلوب'' کا ذکر ہے، یہ بھی ہمارے معاشرہ کا لازمی حصہ ہے، اگر کمزوردل اور ضعیف الخیال لوگوں کی مالی مددنہ کی جائے تو اکثر وہ دشمنوں کی سازشوں اور فریب کاریوں کے شکار ہوسکتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کی افرادی قوت کمزور ہوسکتی ہے افرادی قوت کو پختہ اور وسیع کرنا ایک مکمل معاشرہ کے لئے ضروری ہے، اس کے بغیر نہ اپنی حفاظت ہوسکتی ہے اور نہ دشمنوں کی تدبیروں کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔

''مؤلفة القلوب'' کے بعد غلامی کے مسئلہ کو اہمیت دی گئی ہے اس لئے کہ انسان کی شخصی آزادی سب سے بنیادی ضرورت ہے۔ شخصی آزادی حاصل نہ ہو تو ذہن وفکر اور جہد وعمل کی آزادی بھی ممکن نہیں۔

فی الرقاب کے بعد الغارمین کا تذکرہ ہے قرض بھی ایک عام مجبوری اور اس کی ادائیگی ایک بنیادی ضرورت ہے قرض کا بار ایک عام شخص کے لئے بدترین بوجھ ہے، جو ذہن وفکر اور محنت وعملی کی تمام تر صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔

''الغارمین'' کے بعد ''فی سبیل اللّٰہ'' کا ذکر ہے۔ جہاد دفاع دین کے لئے لازمی ضرورت ہے، جس قوم سے جہاد کی اسپرٹ رخصت ہوجاتی ہے، اس کی ساری آبرو بھی چلی جاتی ہے، قوم بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے اور اندر کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

''فی سبیل اللّٰہ'' کے بعد آخری مد کے طور پر ''ابن السبیل'' کا بیان آیا ہے، سفر ایک عام انسانی ضرورت ہے، اس سے کسی کو چارہ کار نہیں اور ایک عام انسان ہی سفر کی تکلیفوں کو جھیلتا ہے اور اس راہ کی بہت سے محرومیوں سے دوچار ہوتا ہے۔

زندگی خود ایک سفر ہے، جو سفر آخرت کے آغاز پر ختم ہونے والا ہے، اس طرح قرآن نے زکوٰۃ کے اس پورے سسٹم کو عام انسانی زندگی کی ضرورت اور مسائل سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اس میں ملک وقوم یا انسانوں کے اعلیٰ طبقات کو اونچی ترقیات کا نہ تصور دیا گیا ہے اور نہ ان کی سطح کے مسائل ومشکلات کا حل اس سے وابستہ کیا گیا ہے۔

اس لئے آج جو لوگ اس نظام زکوٰۃ کے دائرہ کو وسیع کرنے کے آرزومند ہیں اور سرمایۂ زکوٰۃ کو تعمیر وترقی کے مختلف پروگراموں اور ملک وملت کی فلاحی منصوبوں میں لگانے کے خواہشمند ہیں، دراصل انہوں نے اس نظام کو سمجھا ہی نہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مقالہ نگار حضرات سے خصوصی گزارش

جملہ مقالہ نگار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مقالات صاف ستھرا خوشخط لکھائی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو کمپیوٹر سے کمپوز کر کے صحیح پروف شدہ حوالہ جات کے ساتھ بروقت براہ راست ای میل ایڈریس: almarkazulislami@maktoob.com یا ڈاک کے ذریعے روانہ کریں اگر کمپوز ہو تو ایک عدد سی ڈی بھی ارسال کریں..... شکریہ